© rasailojaraid.com

شیخ بشیر احمد

حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ کے فکر کی اہمیت دورِ جدید میں

حالاتِ زندگی

امام ولی اللہ دہلویؒ برعظیم ہند کے آخری بڑے مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دورِ حکومت میں ۱۷۰۳ء میں پھلت ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے انہوں نے اپنے والدِ محترم الشیخ عبدالرحیم العمری سے تعلیم و تربیت پائی اور اپنے والد کی وفات کے بعد دہلی میں اُن کے مدرسہ رحیمیہ میں کرسیٔ تدریس پر جلوہ افروز ہوئے اس کے بعد انہیں محسوس ہوا کہ وہ جس کارِ عظیم کو لے کر اٹھے ہیں اُس کے لئے علومِ حدیثیہ میں مہارتِ تامّہ کی ضرورت ہے چنانچہ وہ اِن علوم کی تکمیل کے لئے اور ضمنی طور پر عالمِ اسلام کے مطالعے کے لئے حجازِ مقدس تشریف لے گئے۔ انہیں اللہ کے فضل سے حرمین شریفین میں بہترین اساتذہ میسّر آئے اُن کے اساتذہ بھی اُن سے بہت متاثر ہوئے۔ یہاں تک کہ ایک استاد الشیخ ابوطاہر الکردی نے یہاں تک فرمایا کہ "ولی اللہ مجھ سے لفظوں کی سند لیتے ہیں اور میں اُن سے معنوں کی سند لیتا ہوں"۔

حجازِ مقدس میں تقریباً دو سال قیام سے اُنہیں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ برعظیم ہند ہی رُشد و ہدایت کے لئے بہترین میدان ہے، چنانچہ اُنہوں نے واپس آکر اپنے فکر کی تدوین شروع کر دی اور حدیث، اخلاقیات، تاریخ اسلام اور انسانیت کے فکری ارتقاء کی تاریخ وغیرہ پر اور سیاسیات، معاشیات مابعد الطبیعات (METAPHYSICS OR

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیتے ہوئے جو باتیں محکِ استقراء و تجزیہ پر صحیح اُتریں اُنہیں قبول کر لیا اور جو باتیں پوری نہ اُتریں وہ ارسطو کی بھی نقلیں تو اُنہیں قبول نہیں کیا ۔ ردّ و قبول کے اس عمل سے شاہ صاحبؒ کے منہاجِ تحقیق کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ ماضی کی حقیقتوں کو آنکھیں میچ کر قبول نہیں کر لیتے بلکہ اُن کی خوب جانچ پڑتال کرتے ہیں ۔

امام صاحبؒ کے بعد

امام ولی اللہ دہلویؒ کے کام کو اُن کے فرزندانِ جلیل شاہ عبدالعزیزؒ شاہ عبدالقادرؒ شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالغنی نے اور اُن کے بعد آخر الذکر کے فرزند جلیل مولانا محمد اسمٰعیل دہلوی اور شاہ عبدالعزیز کے مرید مولانا سید احمد بریلویؒ نے جاری رکھا یہاں تک کہ ۱۸۳۱ء میں سیدین شہیدین نے بالاکوٹ کے حادثے میں اپنے خون سے تحریک حزب ولی اللہ کی آبیاری کر کے اسے زندۂ جاوید بنا دیا بالاکوٹ کے بعد سید صاحبؒ کی تحریک نے ایک شاخ مغربی علاقوں میں (جو اب مغربی پاکستان میں شامل ہیں) اور دوسری شاخ مشرقی علاقوں میں (جو اب مشرقی پاکستان میں داخل ہیں) کام کرتی رہی۔ چنانچہ وہ مشرقی پاکستان میں تحریک فرائضی اور تیتو میرؒ کی تحریک کی شکل میں اب تک زندہ ہے ان دونوں قطبین کے بیچ میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا حاجی امداد اللہ (شاگردان رشید و مریدان شاہ عبدالغنی، شاہ محمد اسحقؒ (نواسہ شاہ عبدالعزیز دہلوی) نے دیوبند میں اس تحریک کا مرکز قائم کیا، جس نے ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں نمایاں حصہ لیا۔ اس تحریک کے ایک صاحب فکر مولانا عبیداللہ سندھیؒ تھے جنہوں نے ۱۹۲۶ء میں استنبول سے تقسیم ہند کا منشور شائع کیا، جس کے بعد تحریک قیام پاکستان کا آغاز ہوا۔

امام صاحبؒ کی جامعیت (INTEGRALISM)

فکر انضمام

امام صاحبؒ نے، جیسے اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے بہت سے موضوعوں پر لکھا ہے اُن سب کے یکجائی مطالعے سے ایک حقیقت سامنے آتی ہے اور وہ یہ کہ وہ اُن تمام موضوعوں کو معنوی حیثیت سے ملاتے ہیں ۔ اُن کی سیاسیات کی بنیاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(PSYCHOPHYSICS) معادیات (ESCHATOLOGY) وغیرہ سب پر لکھا۔ انہوں نے قرآن حکیم کا ترجمہ سفر حجاز سے پہلے ہی شروع کر رکھا تھا۔ واپس آکر اُس کی بھی تکمیل کی۔ یہ تاریخ میں قرآن حکیم کا پہلا ترجمہ تھا۔

امام صاحبؒ کے فکر کی آبیاری

امام صاحبؒ نے اپنے فکر کی تدوین اٹھارویں صدی عیسوی میں کی۔ یہ وہ صدی ہے جس میں مغربی اقوام کے اندر لادینی سیاست اور مادہ پرستانہ علوم کا ظہور ہوا۔ ان کے اثرات برعظیم ہند میں مغربی قوموں مثلاً پرتگیزوں، ولندیزوں، فرانسیسی اور انگریزوں وغیرہ کے ذریعے سے پہنچنے لگے تھے۔ خود اس برعظیم میں مسلمانوں کی حکومت تقریباً سات صدیوں کے غلبے کے بعد روبہ زوال ہو چکی تھی، چنانچہ خود شاہ صاحب کی زندگی میں دس بادشاہ تخت دہلی پر بیٹھے۔ مسلمانوں کے سیاسی زوال سے اُن کے اخلاق و عادات اور معاشی حالات پر جو اثر پڑتا تھا وہ شاہ صاحب نے بچشم خود دیکھا۔ نادر شاہ کی یلغار نے سلطنتِ مغلیہ کی جڑیں ہلا دیں اور برعظیم میں غیر مسلم طاقتیں اُبھرنے لگیں، جن میں سے مرہٹوں نے برعظیم کے بڑے حصے پر استیلا حاصل کر لیا۔ اس آخر الذکر خطرے کو دور کرنے کے لئے امامؒ صاحب نے سلطان احمد شاہ ابدالی (درانی) کو دعوتِ جہاد دی۔ چنانچہ وہ ۱۷۶۰ء میں آیا اور اس نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو جنوری ۱۷۶۱ء میں ایسی شکست فاش دی کہ اُن کا شہنشاہی ہند کا خواب ہمیشہ کے لئے پریشان ہو کر رہ گیا۔ اس کے بعد ۱۷۶۲ء میں امام صاحبؒ کا وصال ہو گیا۔

متقدمین سے استفادہ

عالم اسلام میں بہت سے مشاہیر پیدا ہوئے ہیں۔ اُن کے کارہائے جمیلہ کو نظر انداز کر دینا اپنے تاریخی ورثے اور ملّی سرمائے سے انحراف کرنا ہے۔ امام ولی اللہ دہلویؒ کی عظمت اس میں پوشیدہ ہے۔ کہ انہوں نے متقدمین کے افکار کی تحلیل کی ہے اور موقعہ بہ موقعہ موجودالوقت معاشرے کے حالات کے مطابق بنانے کے لئے اُن کی عمرانی توضیح کی ہے۔ اس عمل میں اُن کی قرآن دانی کا پورا پورا پتہ چلتا ہے، چنانچہ اس نقطہ نظر سے قدیم افکار کا جائزہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

... اجزا پر تحلیلی نظر ڈالی ہے۔ ملاحظہ ہو ... الشہ ... جہاں وہ معاشرے کے مختلف گروہوں سے خطاب کرتے ... اس قسم کا تحلیلی اور ترکیبی مطالعہ تاریخ اسلام میں صرف امام ولی اللہ دہلوی ... جامعیت کو بھی ملحوظ رکھا ہے اور انضمامیت کو بھی۔

ثقافتی انضمام

امام صاحب کے معاشرتی علوم کا ایک اور انضمامی پہلو بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ بقول (P. A. SOROKIN) نوع انسانی کی ثقافتی تحریکات میں دو روشیں پائی جاتی رہی ہیں۔ ایک تو یہ کہ دنیا مایا ہے اس میں دل نہیں لگانا چاہئے۔ یہ علمی ثقافت (Ideational Culture) ہے، دوسری یہ کہ جو کچھ ہے مادی دنیا ہی ہے۔ اس دنیا سے ماوا کچھ نہیں ہے یہ حسی ثقافت (Sensate Culture) ہے۔ امام صاحب قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق دونوں کو جمع کرتے ہیں، لیکن یہ جامعیت اطماحی ثقافت (Idealistic ...) کی رہنمائی کرتی ہے، جس کی ضرورت کی طرف فاضل مذکور (P. A. SOROKIN) نے اپنے خطبہ پشاور (۱۹۶۳ء) میں توجہ دلائی ہے۔

امام صاحب کی وسعت افکار

مغربی ذہن کا نقص

علوم معاشرتی پر ہمارے علماء نے لکھا ہے اور حق یہ ہے کہ خوب لکھا ہے لیکن معاشرتی امراض (SOCIAL PATHOLOGIES) کے متعلق شاہ صاحب کو چھوڑ کر ان کے ہاں کچھ نہیں ملتا۔ اس تاریخی حقیقت کو نظر انداز کر کے علماء جدید نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ علم امراض معاشرہ کی ابتدا یورپ نے کی ہے۔ بلاشبہ دور جدید میں ماہرین عمرانیات خصوصاً امریکی علماء کی توجہ معاشرتی امراض کی طرف مبذول رہی ہے، لیکن ان کے افکار اور طریقہ تحلیل میں جدل و تناقض پایا جاتا ہے۔ اصل میں علم امراض معاشرہ دو حصوں میں بٹ گیا ہے (۱) علم الامراض اور (۲) علم العلاج۔ ان دونوں شعبوں کے الگ الگ ماہرین ہیں جن کا ایک دوسرے کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہے اس پر مستزاد یہ کہ معاشرتی امراض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی حقیقت یہ ہے جس پر اُن کی اخلاقیات اور تاریخ ... ہے ۔ اُن کی معاشیات کی وہی اساس ہے جو اُن کی سیاسیات و اخلاقیات کی ہے ۔ اُن کے افکار کا یہ انضمامی پہلو اُن کی ہر ایک تحریر سے نمایاں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اُن کے ہر موضوع تحریر کی ساخت (STRUCTURE) متن (TEXT) اور معنی (MEANING) میں ایک چیز جلوہ گر ہے اور وہ ہے اُن کی عمرانیت (SOCIOLOGY) اس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے نزدیک علم کا مقصد غائی یہ ہے کہ معاشرے میں ہیجان، حرکت اور ترقی کے میلانات پیدا ہوں اور انہیں افراد، معاشرے، جماعات اور اداروں کو بہتر بنانے کے لئے کام میں لایا جائے انہوں نے تمام علوم کو جن پر انہوں نے لکھا اسی ایک نقطہ نظر سے استعمال کیا ہے اور اس پر انہوں نے بڑی وقت نظری اور بصیرت سے کام لیا ہے انہوں نے نہ صرف ماضی کے معاشرتی حالات کا مطالعہ کیا ہے بلکہ اپنے زمانے کے معاشرتی حالات کا گہرا جائزہ لے کر مستقبل کیلئے رہنمائی کی ہے چنانچہ وہ معاشرے کے بگاڑ کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے رومی اور ایرانی شہنشاہی معاشرات کا مطالعہ پیش کرتے ہیں اور آخر میں کہتے ہیں کہ وَمَا تَرَاهُ مِنْ مُلُوْكِ بِلَادِكَ يُغْنِيْكَ عَنْ حِكَايَاتِهِمْ (حجۃ اللہ ج ا صنہ)

(یعنی شہنشاہی دلی کے معاشرے کا مطالعہ کر لیا جائے تو رومی اور ایرانی معاشروں کا حال خود بخود کھل جاتا ہے) ایک اور موقعے پر خرابی معاشرہ کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

فَلْيَتَدَبَّرْ أَهْلُ الزَّمَانِ بِهٰذِهِ النُّكْتَةِ (حجۃ اللہ ج ا صنہ)

(یعنی ہم نے شہری زندگی کی بربادی کے جو اسباب گنوائے ہیں اُن کا مطالعہ کر کے ہمارے ہمعصر اہل فکر اس نکتے پر غور کریں کہ بربادی کیونکر ہوتی ہے)

ماضی و حال کا اس قسم کا تنقیدی مطالعہ وہی حکیم کر سکتا ہے جو نہ صرف معاشرے کے عیوب گنائے بلکہ اُن کے اسباب و علل پر بھی نظر ڈالے ۔ علت و معلول کا رشتہ جوڑ کر حقائق کی کنہہ معلوم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جو جزء کو کل سے ملا سکے اور کل کو جزء پر حاوی کر سکے ۔ امام ولی اللہ دہلویؒ نے معاشرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تشریح و توضیح میں اُن کے ہاں شخصی اور نظری اختلافات پائے جاتے ہیں۔ مثلاً معاشرتی امراض کے متعلق اس وقت تین نظریئے برسرِ پیکار ہیں۔

۱۔ ایک نظریے کا تعلق "بدنظمی" (DISORGANIZATION) کے ساتھ ہے۔

۲۔ دوسرے کا تعلق نظریہ پس اُفتادگی (LAG-THEORY) کے ساتھ ہے۔

۳۔ تیسرے کا تعلق نظریہ فقدانِ اقدار (ANOMLE) کے ساتھ ہے۔

ان تینوں نظریوں کو فلسفیانہ دقتِ نظری سے نہ تو معاشرے کے امراض کا سمجھنا درکار ہے اور نہ اس سے سروکار کہ اگر معاشرہ فتور میں مبتلا ہو جائے تو اس سے کس طرح راہِ نجات پائی جائے۔

امام صاحب کا طریقِ کار

جدل و پیکار اور تشتتِ افکار کی یہ کیفیت امام صاحب کے ہاں نہیں ہے وہ معاشرے کے امراض کا نہ صرف تجزیہ کرتے ہیں، بلکہ ہر ایک جزء کو کل سے ملا کر قدرِ معنویت متعین کرتے ہیں اور [illegible] فیصلہ صادر کرتے ہیں وہ دورِ جدید کے حکماء کی طرح مریض کو [illegible] مرض بتا کر اسے مزید اعصابیت (NERVOUSNESS) میں مبتلا نہیں کرتے۔ بلکہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ اگر مرض پیدا ہو گیا ہے تو اصلاحی تدابیر اختیار کر کے مرض کا ازالہ بھی کیا جا سکتا ہے پھر وہ اس میں ظن و تخمین سے کام نہیں لیتے بلکہ حقائقِ نفس الامری اور تاریخی واقعات سے استدلال کرتے چلے جاتے ہیں امراض کی تشخیص میں ان کا اسلوب تقابلی (COMPARATIVE Methodology) ہے، مثلاً وہ اپنے زمانے کے معاشرتی امراض کا ذکر کرتے ہوئے اُن کے نہ صرف اسباب و علل بیان کرتے ہیں، بلکہ وہ یہ امر بھی پورے وثوق کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں کہ اس قسم کے فتور و امراض سابق کے معاشروں میں بھی پائے جاتے رہے ہیں لیکن وہ ان کے علاج پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے برباد ہو گئے۔

اس سلسلے میں ایک لطیف بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ جس طرح آج ہم یورپ اور امریکہ سے مرعوبیت میں مبتلا ہیں اسی طرح شاہ صاحب کے زمانے میں یونان اور [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ ہے ذہنی پستی یعنی مسلمان اپنی علمی عظمت کو ماننے اور منوانے کی بجائے یونان اور ایران کی عظمت علمی کو تسلیم کر چکے تھے۔ امام صاحب کے نزدیک یہ بے بصری ہے۔ اُن کے نزدیک یونانی اور ایرانی تہذیبیں عظیم و بلند ہونے کے باوجود، معنویت سے خالی تھیں اس خلا کو اسلامی تہذیب اور علوم نے پورا کیا وہ چیز جس سے اسلامی تہذیب اور علوم میں قدر معنویت پیدا ہوئی ہے، وہ توحید و رسالت کے اصول ہیں اُن دونوں کے امتزاج کے ساتھ اسلامی علوم کا وجود سابقہ علوم کی "تکمیل" تھا۔ امام صاحبؒ جس توحید کے قائل ہیں اُس کا مظاہرہ اُن کے فکر اور تحریر کے ہر پہلو سے ہوتا ہے اس لئے اُن کے ہاں علم امراض معاشرہ اور علم علاج معاشرہ گویا توحید کی قدر معنویت کے باقی رکھنے کے مترادف ہے۔

موجودہ زمانے میں امام صاحبؒ کے افکار کی اہمیت

امام صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تعمیر معاشرہ کے متعلق جو اصول اور قواعد بیان کئے ہیں وہ ہر دور کے معاشرے کے لئے زرین اُصول ثابت ہوں گے۔ اُن کے زمانے میں مغربی اقوام کی آمد سے جو حالات پیدا ہوئے اور جو حالات اُن کی آمد کے داعی ہوئے، وہی حالات اب تک ہمارے معاشرے میں پائے جاتے ہیں۔ اس لئے شاہ صاحبؒ نے اپنے دور میں معاشرے کے جو امراض بیان کئے ہیں اور اُن کے لئے جو علاج تجویز کئے ہیں وہ اب بھی پوری صحت کے ساتھ موجودہ معاشرے پر اطلاق پذیر ہو سکتے ہیں۔ مثلاً شاہ صاحبؒ نے اپنے زمانے کے حالات اور سابقہ اقوام کے حالات کا گہرا مطالعہ کر کے اپنے زمانے کے معاشرے کو قرآن کریم کی زبان میں متنبہ کیا ہے۔

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا (۱۷، ۱۶)

(یعنی) جب ہم کسی سوسائٹی کو برباد کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم اُس کے کھاتے پیتے طبقے کو حکم دیتے ہیں وہ اس حکم کی نافرمانی کرتے ہیں تو اُن کی تباہی کا فیصلہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صادر کر دیا جاتا ہے پھر وہ ایسی تباہیوں میں مبتلا ہوتے ہیں جس سے وہ بچ نہیں سکتے۔

ایسے ہی وہ معاشرے کی تباہی کا ایک سبب یہ بیان فرماتے ہیں کہ خزانے پر اُن لوگوں کا بار پڑ جاتا ہے جو کوئی خدمت سرانجام نہیں دیتے اور حکومت سے مفت کے وظیفہ پانے پر اصرار کرتے ہیں ۔

ایک اور سبب ریاست کی بربادی کا یہ بیان فرماتے ہیں کہ نظم و نسق کرنے والا طبقہ تعداد میں حد سے زیادہ ہو جاتا ہے اور سرکاری ملازموں کی تعداد بلا ضرورت بڑھتا جاتی ہے ۔

یہ نکات ظاہر کرتے ہیں کہ امام صاحبؒ کے عمرانی افکار پر گہری نظر ڈالنے کی ضرورت ہے اور تبصرے کی ضرورت یوں بھی ہے کہ وہ ایک جلیل القدر صاحب فکر ہونے کے باوجود اُن کا کام گوشۂ گمنامی میں پڑا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن علوم پر اُنہوں نے لکھا ہے اُن کی ترقی کا دور اب آیا ہے اور اب اہل فکر ان کے افکار کی قدر کر سکتے ہیں ۔ آج ہم اللہ کے فضل و کرم سے برسرِ خود آگئے ہیں اس امر کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ہم اپنے ماضی کے ورثے کا جائزہ لیں اور اُس میں سے مفید ترین اجزاء کو اپنا کر آگے بڑھیں ۔ ہمیں یقین ہے کہ اس عمل میں شاہ صاحب کے فکر کا مطالعہ دورِ حاضر میں بہت مفید ثابت ہوگا ۔ ہم اس وقت جس موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں — یعنی عمرانیات — اس موضوع پر امام صاحبؒ منفرد صاحبِ فکر ہیں اس لئے ان کے فکر کا مطالعہ ناگزیر ہے اس غرض کے لئے ان کے افکار کا مقابلہ عمرانیات ہی میں نہیں دیگر علوم میں دورِ جدید کے افکار سے کرنا بے حد سود مند ثابت ہوگا اور اس سے ہمارے نوجوانوں کے سر فخر و مباہات سے بلند ہو جائیں گے ۔

مغربی عمرانیات کی غلطیاں

دو متخاصم عمرانی نظریات | ہم یہاں عمرانیات کے سلسلہ میں امام صاحب کے صرف ایک فکر کی (بنیادی) تفصیل [illegible] کرنا چاہتے ہیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دورِ حاضر کی عمرانیات میں دو قسم کی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ عمرانیات جدیدہ دو متخاصم اور متخالف افکار پر پھیلی ہوئی ہے

اور (۲) دوسرے یہ کہ اس کا فکری سرمایہ زیادہ تر قومی اور ملکی بنیاد پر مبنی ہے۔

اول الذکر کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ عمرانیات جدیدہ کے ایک مذہب (SCHOOL OF THOUGHT) کا تعلق صرف حسیات (SENSATISM) اور جنسیات کے ساتھ ہے اور دوسرے مذہب کا تعلق صرف ماورائے مادیات کے ساتھ ہے پہلا مذہب دنیاوی لذات کو حقیقی تصور کرتا ہے اور حیات مابعد الممات وغیرہ کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس کے برخلاف دوسرا مذہب اس امر پر مبنی ہے کہ دنیا مایا ہے اس سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے ـــ ترکِ دنیا ـــ موت کے بعد زندگی شروع ہوتی ہے وہی صحیح زندگی ہے۔

ان دو متخاصم اور جدلی افکار کے مقابل امام ولی اللہ نے جس عمرانیات کی بنیاد رکھی ہے وہ انضمامی بھی ہے اور مربوط بھی۔ اس میں توحید کا نظریہ شانِ معنویت پیدا کرتا ہے۔ شاہ صاحب کے نزدیک دین بھی صحیح ہے اور دنیا بھی۔ اس لحاظ سے ان کی عمرانیات کے دو حصے ہیں۔ ارتفاقاتِ معاشیہ اور ارتفاقاتِ معاویہ (یا اقترابات)

وہ ان دونوں کو باہم مربوط اور ایک دوسرے کا جز مانتے ہیں۔

پروفیسر سٹارک (STARK) نے جو کتاب (FUNDAMENTALS OF SOCIOLOGY) کے نام سے شائع کی ہے۔ اس میں انہوں نے اس بات کی توضیح کی ہے کہ دورِ جدید کے عمرانی نظریات میں یکسانیت اور ارتباط ہونے کی بجائے جدل و پیکار کی بھرمار ہے اس لیے اس کی بنا پر کسی نظام کی صورت گری محالات سے ہے اس سے ظاہر ہے کہ ہمیں شاہ صاحب کے عمرانی نظریات کا غائر نظر سے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ نظریے ہمارے بیش قیمت تاریخی سرمائے اور مشرقی اقوال سے پیدا ہوئے ہیں اور ان میں [illegible] پایا جاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عیسویت کا اثر

یہاں اس طرف بھی اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ دورِ جدید کے عمرانی نظریات عیسوی معتقدات پر مبنی ہیں جو تاریخی اعتبار سے متروک ہو چکے ہیں اور ان کی جگہ قرآنی اسلامی افکار نے لے لی ہے۔

قومیت کا غلبہ

مغربی نظریات عمرانیات میں ایک اور خرابی یہ ہے کہ تمام مغربی قوموں نے اپنی اپنی الگ الگ عمرانیات قومی نقطۂ نگاہ سے پیدا کی ہے اس لیے ہر ایک کا رنگ جدا اور ڈھنگ الگ ہے۔ صرف امام ولی اللہ دہلوی ؒ کی عمرانیات کی بنیاد انسانیت عامہ پر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ قرآنی اصولِ حکمت کے تابع رہ کر کام کرتے ہیں۔ زندگی کے جس زاویہ نگاہ پر یورپ اور امریکہ کے معاشرے ڈھل رہے ہیں وہ ہمارے مقتضیات کے حامل نہیں ہیں اور ہمارے مزاج اور نظامِ اخلاق کے منافی ہیں۔ پھر یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ امام ولی اللہ دہلوی ؒ اسی برِ عظیم کے سپوت ہیں وہ یہیں پیدا ہوئے اور ان کے افکار یہیں پروان چڑھے وہ تمام تاریخی معاشرتی احوال کے عالم اور اپنے زمانے کے بہترین طالب علم ہیں اس سلسلے میں جو دوسری اہم بات قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ امام صاحب قرنِ اول کی تاریخ کے ماہر ہیں وہ ایک بے نظیر محدث اور بالغ النظر مورخ ہونے کی وجہ سے اس تاریخی انقلابی معاشرے کی جزئیات کے عالم ہیں اور اپنی عمرانیات کی تمام جزئیات کو قرآن و سنت سے اخذ کرتے ہیں چونکہ ہمارا وطن عزیز اسلام کے آئیڈیل (IDEAL) پر بنا ہے اس لئے اس میں کوئی شعور پیدا ہو تو ہمیں امام ولی اللہ جیسے ماہر قرآن و سنت کے توسط سے قرآن و سنت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ اپنے دوسرے مضمون میں وہ عملی سکیم پیش کریں گے جو امام صاحب نے قرآن کی اساس پر تعمیرِ معاشرہ کے لئے پیش کی ہے۔

امام صاحب کی پیش قیاسی

علم مسلمان کی میراث ہے بنا بریں یہ تو غلط ہوگا کہ ہم یہ مشورہ دیں کہ جدید عمرانیات اور علوم عمرانی کا مطالعہ نہ کیا جائے ہمارے نزدیک ان میں بعض افکار ایسے ہیں کہ ان کی طرف التفات کرنا ضروری ہے لیکن ان علوم کی سائنٹیفک انداز میں چھان بین کی جائے اور اس چھان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بین ہیں یہ امر ضرور ملحوظ خاطر رہے کہ ان علوم میں قدرِ معنویت کیا ہے ان علوم میں سے جو حقائق اس کسوٹی پر صحیح اتریں اور جو ہمارے نظامہائے علوم و ثقافت کی قدرِ معنویت کے مخالف نہ ہوں وہ قبول کر لئے جائیں۔ تعجب کی بات ہے کہ خود امام صاحب بھی اس نظریئے کے حامل ہیں یعنی وہ اسلامی اصولی تعلیمات کی معنویت پر زور دیتے ہیں اور انہیں ہی اسلامی ثقافت کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ شاہ صاحب کی یہ پیش قیاسی جس کا مظاہرہ انہوں نے دو صدیاں پہلے کیا نہایت حیرت افزا ہے خصوصاً اس لئے کہ جو باتیں انہوں نے اپنے زمانے میں لکھیں ان کی طرف دو سو سال کے بعد جدید ماہرین عمرانیات کی توجہ مبذول ہو رہی ہے چنانچہ معاشرتی مزاج کی انفرادیت کو جزوِ زندگی قرار دیتے ہوئے (P.A. SOROKIN) نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب (Social & Cultural Dynamics) میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے۔

عالم اسلام میں فطانت سے زیادہ ایک خاص نفسیاتی عامل کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے اور وہ ہے حسِّ واقعات کے حامل تھے جس کی وجہ سے انہوں نے آنے والے حوادث و واقعات کو چشمِ وجدان سے دیکھا اور من وعن قلمبند کر دیا۔ اسی وجدان نے انہیں اپنے زمانے کے حالات سے مستقبل میں نکلنے والے نتائج کی طرف رہنمائی کی یہی حسِّ واقعات ہے جو امام صاحب کو تاویل الاحادیث —— تاریخی واقعات کے معنی — سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ اسی حسِ واقعات کی بنا پر شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "ہمارے زمانے میں حق کو جانچنے کے تین معیار ہیں۔ عقل، نقل اور کشف (التفہیمات الٰہیہ) یہی چیز ہے جسے قرآن السمع (نقل)، البصر (عقل)، اور الفواد (کشف) کے ناموں سے بیان کرتا ہے۔ بظاہر یہ تین جداگانہ موثرات نظر آتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ عقل و نقل کشف میں گم ہو جاتے ہیں اور کشف عقل و نقل کی قدرِ معنویت میں ضم ہو جاتا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اپنے زمانے کے معاشرے کو نظرِ بصری سے دیکھا لیکن اس معاشرے کی تہ در تہ میں جو معاشرے کروٹیں لے رہے تھے انہیں چشمِ وجدان سے ملاحظہ فرمایا اور مرئی تبدیلیوں کے متعلق پیش قیاسیاں اور پیش بینیاں کیں جو آج بالکل صحیح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظر آرہی ہیں ۔ مثلاً انہوں نے معاشرے کی خرابی کی وجہ سے تہاون اور عدوان قرار دی ۔ کیا ہمارے معاشرے کی خرابی کی اولین یہی نہیں ہیں ؟ ؟ تہاون کی صورت یہ ہے کہ نظام معانی سے انحراف کرکے غلط طریقۂ عمل کو برداشت کر لیا جائے اور پھر اُسی کو صحیح سمجھ لیا جائے ۔ اس سے بدعات پیدا ہوتی ہیں ۔ آج ہم اپنے نظام معانی کو چھوڑ کر جس طرح مغربی طرز زندگی کو اختیار کرتے جا رہے ہیں یہی تہاون ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ ہم اُنہی مغربی ثقافتی پہلوؤں کو زیادہ چاہت کے ساتھ اختیار کر رہے ہیں جن کے متعلق خود مغرب کے اہل فکر بیزاری کا اظہار کرتے ہیں ۔ عدوان کا مطلب یہ ہے کہ قانون قدرت سے بغاوت کرکے نئی راہ نکالنے کی کوشش کرنا ۔ اس میں وہ احکام الٰہی بھی آجاتے ہیں ، جن کی شکست و ریخت کرکے معاشرہ اپنے خیال میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے مثلاً معاشی معاملات میں اہل ثروت کا بخل سے کام لینے کو عقل عامہ اور حکم خداوندی دونوں مہلک قرار دیتے ہیں ۔ کیا ہم اس مرض میں مبتلا نہیں ہیں؟

مغربی حکما کی درماندگی

دور جدید میں کامٹے (COMTE) سے لے کر آج تک عمرانی نظریات تغیر کی حالت میں ہیں کئی نظریات آئے اور چلے گئے ۔ ایک صدی کے نظریات دوسری صدی میں ناقابل قبول قرار پائے (SOROKIN STARK) اور دوسرے جلیل القدر علماء عمرانیات ان حقائق کو تسلیم کرتے ہیں ۔ امام صاحبؒ کی حکمت کی روشنی میں ان افکار کا تنقیدی مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تناقضات کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان میں عقل تو موجود ہے لیکن کشف اور نقل کا فقدان ہے ۔ نقل کا فقدان یوں کہ سابق کا کوئی نظریہ آگے چل کر درست نہیں رہتا اور نہ یورپ میں تعلیماتِ الٰہیہ کو غور و فکر کا مرکز بنایا گیا ہے باقی رہا کشف تو جو نظریں صرف حال ہی کو دیکھنے پر قادر ہوں اور جن کی وسعتِ نگاہ مادیات کے مشاہدات اور تجربات ہی تک محدود ہوں وہ غیر مرئیات کو دیکھ سکتی ہیں ۔ ان نقوشِ ناتمام کا نام دورِ جدید کا علوم ہے ۔ اہل مغرب ابھی تک اس قابل بھی نہیں ہوئے ہیں کہ وہ گروہی اور قومی مفادات سے بالاتر ہو کر انسان کے نوعی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقاضوں کے مطابق سوچ سکیں "نوعی تقاضے" کی اصطلاح امام ولی اللہ کے ہاں نہایت اہمیت رکھتی ہے اور وہ اپنے عمرانی افکار کی بنیاد انہیں تقاضوں کو بناتے ہیں۔ مغربی اہل فکر کو اس بلندی تک اُٹھنے میں ابھی بہت دیر لگے گی۔ جب ہم اس تنقید کی روشنی میں امام ولی اللہ کے عمرانی افکار کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اس نتیجے تک پہنچنے میں کوئی دقّت پیش نہیں آتی کہ اُن کے نظریات بالکل صحیح ہیں ہمارے معماران قوم اور مفکرین کے پیش نظر یہ حقیقت رہنی چاہیئے کہ قوم کی تعمیر کا مدعا اینٹ گارے سے ایک فلک بوس عمارت کھڑی نہیں کرنا ہے اصل تعمیر روح اور نفس کی تعمیر ہے۔ امام صاحب کے افکار عمرانی کی بنیاد اسی اصول پر ہے اور اس کی تائید قرآن حکیم سے ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ (۱۱-۱۳) جب تک کوئی معاشرہ اپنی نفسی (معنوی) بنیادوں کو بدل نہیں لیتا۔ اس وقت تک اُس کی ظاہری صورت و حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

انسان اور معاشرتی زندگی

افسوس ہے کہ شاہ صاحب اب تک ہمارے اہل فکر کی بے فکری کا شکار رہے، لیکن شکر کا مقام ہے کہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے ہمارے لئے ان کا انکشاف کیا اور انہوں نے ان کے فکر کی عظمت اور گہرائی کی طرف توجہ دلا کر ہمارے سوچنے والے طبقے کو امام صاحب کی طرف متوجہ کیا اور دکھایا کہ شاہ صاحب کی حدیث دانی، فقہ، تفسیر، اصول تفسیر، معقولات وکلام، الٰہیات و عمرانیات بلکہ طبعیات و ما بعد الطبعیات سب کی بنیاد انسان کی معاشرتی زندگی پر ہے۔ افسوس ہے اہل مغرب نے انسان کو "معاشرت پسند حیوان (GREGARIOUS ANIMAL) قرار دے کر بہت بڑی ٹھوکر کھائی ہے جس سے ہمارے ملک کے اہل فکر بھی اس بلند اور حقیقی نظریئے تک نہ پہنچ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکے جہاں امام ولی اللہ دہلوی پہنچے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی جزیرے میں ایک مرد اور ایک عورت اکٹھے ہو جائیں، وہ رفتہ رفتہ معاشرہ پیدا کر لیں گے اور وہ معاشرہ ارتفاقِ اول، ارتفاقِ دوم، ارتفاقِ سوم اور ارتفاقِ چہارم کی تمام منازل خود بخود طے کرے گا۔ (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول) گویا امام صاحب کے نزدیک انسان کی معاشرتیت اس کی انسانیت کا جزو ہے اور یہی انسانی معاشرتی زندگی کی قدرِ معنویت پیدا کرتی ہے۔

امام صاحب کا نظریۂ ارتفاقات

اور یہ امام صاحبؒ کی ایک اصطلاح "ارتفاق" کا ذکر آیا ہے۔ یہ لفظ رِفق سے مشتق ہے۔ جہاں رِفق کی خارجی سطح پر رفاقتِ باہمی سے معاشرتی ادارت کی صورت گری ہوتی ہے، وہاں اس کی تہ میں معنویت اور روحانیت کے عوامل بھی پوشیدہ ہیں اس لئے ارتفاق سے مراد جہاں یہ ہے کہ انسان کو معاشی اور معاشرتی زندگی میں جو مشکلات پیش آتی ہیں، وہ ان کے حل دریافت کر لیتا ہے۔ وہاں اس لفظ میں وہ روحانی رشتے بھی پوشیدہ ہیں جو دو نفوس کو ایک انسانی مقصد حاصل کرنے کے لئے متحد الخیال، متحد الفکر اور متحد العمل کر دیتے ہیں گویا شاہ صاحب کی یہ اصطلاح — ارتفاق — ظاہر اور باطن دونوں لحاظات سے معنی کی حامل ہے اور مغربی حکما کی طرح سے وہ صرف معاشرے کی ظاہری معاشی اور جنسی صورت گری تک پہنچ کر رک نہیں جاتے بلکہ ارتفاقات کی تہ میں پہنچ کر ان کی داخلی معنویت کا بھی سراغ لگا لیتے ہیں۔ یہ شاہ صاحب کا وہ انقلابی نظریہ ہے جو اُن کی عمرانیات کو جدید عمرانیات سے امتیاز بخشتا ہے۔

مسلمان اور امامتِ اقوام

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے متعلق مذکورہ بالا مختصر اشارات کے بعد اس امر کی چنداں ضرورت نہ تھی کہ ان کے منصب و مقام سے بحث کی جائے لیکن شاہ صاحب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ذات کے متعلق تاریخ کے پس منظر میں کچھ عرض کرنا نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے شاہ صاحبؒ ایسے زمانے میں پیدا ہوئے جب یورپ میں ازمنہ وسطی (MIDDLE AGES) کا خاتمہ ہوا تھا اور نئے دور کا آغاز ہو رہا تھا۔ بد قسمتی سے نئے دور کا آغاز اہل علم اور عیسوی کلیسا کی باہمی آویزش کا رہین منت تھا۔ اس لیے اس دور میں اہل علم نے کلیسا دشمنی کی وجہ سے علمی تحقیقات میں غلط روش اختیار کر کے انسانیت عامہ کو مادہ پرستی اور مذہب دشمنی کی راہ پر ڈال دیا۔ برعظیم ہند میں بھی یہ دور نہایت اہم دور ہے۔ اس زمانے میں مغلیہ حکومت کا خاتمہ ہوا تھا اور سمندر پار سے آنے والی قوم یہاں پاؤں جما رہی تھی۔ امام صاحبؒ کے لیے نہ تو ماضی کے سارے ورثے کو من و عن قبول کرنا ممکن تھا نہ اُسے کلیتہً رد کرنا انسانی تقاضوں کے مطابق نظر آتا تھا۔ اگر ماضی کے بغیر حال ممکن نہیں ہے تو پھر حال کی بہتری کا مدار اس اس بات پر ہے کہ مستقبل کے متعلق بھی سوچا جائے اور حتمی فیصلے کئے جائیں اس کے لئے زمانی اور مکانی علتوں سے اوپر اُٹھ کر ماورائے مکان و زمان پر بھی توجہ کرنا ضروری ہے۔ بنا بر ایں امام صاحب کے افکار کی حیثیت تاریخ اسلام میں محض حال کی نشاۃ ثانیہ پیدا کرنے والے مفکر کی نہیں ہے بلکہ ان کی ذات گرامی میں انضمام (INTEGRATION) کا عنصر بہت شدت سے کارفرما نظر آتا ہے جس کی وجہ سے وہ ماضی و حال کے رشتے ایک قدر مشترک کے ذریعے سے اس طرح مربوط کر دیتے ہیں کہ غیر مرئی مستقبل مرئی بن کر نظر آنے لگتا ہے۔

شاہ صاحبؒ کے فکر کی بلندی کا اندازہ اس امر سے لگایا ہے کہ اُن کی عمرانیات کی بنیاد انسانیت عامہ پر ہے اور وہ مسلمانوں کو صحیح معنوں میں اُخرِجَت لِلنَّاسِ (تم لوگوں کی بھلائی کے لئے پیدا کئے گئے ہو) کے منصب پر دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ مسلمان حسی اور ماورائی دونوں قسم کی تہذیبوں کو جمع کر کے امتہ وسطیٰ کا مقام حاصل کر سکیں جس کے لیے انہیں پیدا کیا گیا ہے :-

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاہ اکرام حسین صاحب سیکری

مشاہیرِ سندھ کی تاریخہائے وفات

تاریخ ہائے وصال حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ

سالِ وصال بابِ فصاحت ، شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ

۵۲ ۱۷ء

ممدوح فخرِ صوفیا

۶۵ ۱۱ھ

یک شہرۂ آفاق اہلِ دل شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ

۵۲ ۱۷ء

© rasailojaraid.com